نیک و بد کا معیار بدلتا ہے۔ ہاں جائز خواہشات کی تکمیل کے ناجائز طریقے اور ہر ناجائز خواہش کی تکمیل کے طریقے واقعتہً بدلتے رہتے ہیں۔ غلط کار انسان ان تبدیلیوں کو وجود میں لاتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن ان "فاسقانہ جدتوں" کی وجہ سے فطرتِ انسانی کا خدائی دین کیوں بدل دیا جائے؟ اگر کسی زمانہ میں دنیا کی شہری آبادی نے جو ایک مختصر اقلیت ہوتی ہے۔ یا بغرضِ محال اکثریت نے، کھانے پینے پہننے اور مکان بنانے کے سلسلہ میں اور سفر کرنے کے لئے کچھ مشینوں کا استعمال اپنے اوپر لازم قرار دے لیا تو چند جائز خواہشات کی تکمیل کے لئے ان بے جان مشینوں کے استعمال سے بھی دین کے احکام میں کسی تبدیلی کے مطالبہ کا جواز کہاں سے نکل آئے گا۔ البتہ اگر ان مشینوں کی وجہ سے کسی کا جانی، بدنی یا مالی نقصان ہوگا تو بے شک صاحبِ مشین ہی اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اس لئے جو لوگ بہت زیادہ محتاط ہوں گے وہ خود ہی مشینوں کے استعمال سے حتی الامکان احتراز برتیں گے۔

مذکورہ حقایق کی روشنی میں فرنگی مستشرقین کا یہ مطالبہ بالکل بے بنیاد نظر آتا ہے کہ دین میں تبدیلی ہونا چاہیئے۔ یہ تو وہی لادین اشخاص ہیں جو ماضی بعید سے آج تک باطل پر قائم رہتے ہوئے حق کی مخالفت کا یہ "علمی" فیشن اختیار کرتے ہیں۔ کہ ایسا کھوکھلا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔ حیرت ہے اُن اپنے کو "مسلم" کہنے اور سمجھنے والوں پر جو دانستہ یا نادانستہ اسی قسم کا مطالبہ پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور جب اس مطالبہ کا کھوکھلا ہونا اُن پر واضح کر دیا جاتا ہے تو اس قسم کی کوئی احمقانہ بات بول دیتے ہیں جو ایک سمجھ دار بچہ بھی کبھی نہیں بولے گا۔ مثلاً "رسا قمیص ایسا جوتا نہیں پہنتے تھے تو پھر آپ کیوں پہنتے ہیں۔۔۔" وقس علی ہذا۔ غرق ہوتے وقت تنکے کا سہارا کیا کام دے سکتا ہے؟۔

باطل کے حاشیہ برداروں کے ترکش میں تیروں کی کمی نہیں۔ خواص و عوام کے دلوں میں اسلافِ کرام کا احترام دیکھ کر یہ چال چلی جاتی ہے کہ وقتاً فوقتاً اور اکثر فرنگی مستشرقین ہی کی نقالی میں کسی سلف کا نام لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ "وہ بھی تو مجتہد تھے۔ دین کو زمانے کے مطابق چلانا چاہتے تھے۔ فلاں کتاب کے اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟۔۔۔" لیکن ہم اس "سادگی" پر مستجب کیوں ہوں؟۔ یہ کوئی غیر معمولی سانحہ نہیں ہے۔ تاریخ عالم تو ان تلخ ترین باتوں سے بھری پڑی ہے۔ کہ "تجدد" کے نعرہ بازوں نے انبیاءؑ کو بھی

اِسی طرح غلط باتیں کہہ کر "بدنام" کیا۔ توراۃ اور انجیل کے موجودہ نسخے دیکھ لیجئے۔ اور ایسے بھی اظلم گذرے ہیں جنھوں نے خلاقِ عالم کو بھی نہیں چھوڑا۔ یونانی ادب پڑھ لیجئے۔!

"شاہ ولی اللہ اکاڈیمی" کے قیام کے بعد ہی کسی مستشرق نے بھرے مجمع میں یہاں اِسی قسم کی بات کہہ دی اور روزناموں نے بڑی "مسرّت" سے سرخیاں شائع کر دیں کہ "شاہ صاحب بھی تو دین کو زمانہ کے مطابق بدلنا چاہتے تھے"۔ لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا سمجھتا کہ ہم اپنے اسلاف کو اس لئے محترم نہیں سمجھتے کہ وہ بذاتِ خود "معصوم معبود" ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اللہ کی اطاعت بدرجۂ احسن کرتے تھے اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ کے محسن اور مومن بندے ایسی بھونڈی باتیں کبھی نہیں کرتے۔ اِن حضرات کا دماغی توازن بھی تادمِ مرگ بفضلہٖ برقرار رہا۔ وہ کبھی "مجذوب" نہیں ہوئے۔ لہٰذا اُن کی طرف اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ بات اگر کسی کتاب میں بھی نظر آجائے تو وہ رد کر دی جائے گی۔ اور الحاقی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ صحیح حدیث کی حفاظت کے لئے جس "علم الرجال" پر عمل کیا گیا وہ اور کسی کتابِ انسانی کے لئے نہیں کیا گیا۔ کیا یہ واقعہ ظہور پذیر نہیں ہو چکا ہے کہ ایک غیر معروف مصنّف کی ایک سراپا افسانہ و افسوں کتاب شاہ ولی اللہؒ کے نام سے چھپی ہوئی موجود ہے؟ دوسرے اسلافِ کرام کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاؤ کیا گیا ہے۔

حضرات صحابہؓ و تابعین کے بعد ابو حنیفہؒ، ابن تیمیہؒ، عبد القادر جیلانیؒ، محمد ابن عبد الوہابؒ اور اقبالؒ اور نہ معلوم کتنے اور نام ہیں جنھیں کبھی کبھی اِس "مطلب براری" کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو مسلم عوام و خواص میں مقبول ہو جاتا ہے اُس کے نام سے "فائدہ" اٹھانا آسان معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسلاف پر تجدد کا اتہام لگانے والے متجددین کو یہ بھی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کے لئے "حکم" کا مرتبہ قرآن اور سیرتِ خاتم النبیینؐ کو حاصل ہے۔ اور اِس لئے اسلاف کا نام لے کر ایسی "کوشش" کرنا بے سود ہوگا۔ ہر مسلم کا ایمان توحید، رسالت اور آخرت پر مبنی ہے۔ اسلاف پر "ایمان" نہیں ہوتا ہے۔ اُن کا "احترام" ہوتا ہے اور احترام اِسی لئے ہوتا ہے کہ وہ کامل الایمان حضرات اپنے اخلاف سے علماً اور عملاً بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ ورنہ "محض اسلاف پرستی" کسی مسلم کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ اگر خدانخواستہ 'بفرضِ محال' کوئی ضدی اِس بات پر اڑ جائے کہ "نہیں ... فلاں سلف نے یہی کہا تھا۔ اب تو تمھیں ماننا پڑے گا کیونکہ تم ان کا اتباع کرتے ہو ....." تو ہر متبعِ شریعت مسلم کا جواب

یہی ہوگا کہ "ہم اُس سلف کا احترام نہیں کرتے ہیں جو ایسی غلط بات کہتا ہے۔ ہم غلط باتیں اور غلط کام کرنے والے اسلاف کا احترام نہیں کرتے۔ . . . . ."

اسلاف کے اعمالِ صالحہ کا احترام کیا جاتا ہے۔ اُن کے ناموں کی پرستش نہیں کی جاتی ہے۔ اِس حقیقت کی توضیح کے بعد قرآن اور سیرتِ نبوی کے بجائے محض اسلاف کا نام لے کر تجدد کی دعوت دینا ایک لایعنی فعل ہے۔ آج دنیائے انسانی 'جدید فرنگی جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے "بعموجٌ من فوقہ موجٌ من فوقہ سحاب"۔ ظلمات میں ہاتھ پر ہاتھ نہیں دکھائی دیتا ہے۔ روحانی، ذہنی، اعصابی اور جسمانی امراض نے گمراہ انسان کی زندگی کو جہنم کے عذاب کا پیش خیمہ بنا دیا ہے۔ اِس باطل تہذیب و تمدن کو نیست کرنے کے لئے فرعونی اور ثمودی طاقتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن اور سیرت النبیؐ کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی زندگیوں کی ضرورت ہے۔ وہی ایمانی اور ایقانی اسلحہ جن سے پہلی صدی ہجری میں ہمارے اسلاف نے میدانِ جہاد میں اُس دور کی دونوں "بڑی" طاقتوں کو مغلوب کر دیا تھا اور پھر پوری کامیابی کے ساتھ اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کو قائم کیا تھا۔

؎ دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش — تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ — ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیرِ اُمم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا — مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا (اقبالؒ)

(پروفیسر) خالد عمر صدر شعبہ فارسی سندھ مسلم کالج - کراچی

(پورے کا پورا مراسلہ بغیر کسی اضافے اور کمی کے مراسلہ نگار صاحب کے حسبِ ارشاد شائع کر دیا گیا ہے)

ماہنامہ "الرحیم" کے ذریعہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے موجودہ قدامت پسندی اور رجعت پرستی کے ماحول میں فکری تازگی اور ذہنی بیداری پیدا کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے۔ اگرچہ میں اُس کے حق میں ہوں، لیکن معاف کیجئے گا اگر میں یہ کہوں کہ آپ کی یہ کوشش ریت میں ہل چلانے کے مصداق ہے کیونکہ اس طرح کی کوششیں نہ پہلے بار آور ہو سکی ہیں اور نہ آپ کی یہ کوشش بار آور ہوگی اور ہمارے معاشرے پر صدیوں سے جو جمود اور آگے کے بجائے ہمیشہ پیچھے کی طرف دیکھنے کا رجحان مسلط ہے وہ بحالہ قائم رہے گا،

چنانچہ جہاں دنیا کی دوسری قومیں کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گی وہاں ہمارا شمار پہلے کی طرح "نحن مُنا قاعدون" ہی میں ہوتا رہے گا۔

ہماری تاریخ کا وہ دور جس میں اسلامی فکر ایک متحرک، فعال اور ترقی پذیر طاقت تھی، عملاً سقوط بغداد (۶۵۵ھ) کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد جمود اور رجعت پرستی کا جو اندھیرا چھایا ہے تو وہ اب تک نہیں چھٹ سکا گو گزشتہ سالوں میں عالم اسلام نے سیاسی میدان میں بہت کچھ حاصل کیا ہے لیکن جہاں تک اس کے فکر و ذہن کا بالخصوص مذہب کے معاملے میں تعلق ہے۔ اس کا وہی حال ہے، جو صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ اور اس تک روشنی کی کرنیں نہیں پہنچ سکیں۔

مجھے تسلیم ہے کہ ان صدیوں میں ہمارے ہاں بعض بڑے بڑے اصحاب علم و فکر پیدا ہوئے۔ اور انھوں نے اپنے زمانے میں اور اپنے حالات کے مطابق اس ہمہ گیر جمود اور رجعت پسندی کے خلاف جدوجہد بھی کی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عموماً ایک صاحب علم و فکر کے بعد بجائے اس کے کہ اس کے جانشین اور مسترشد اس کی پیدا کی ہوئی ذہنی بیداری کے دائرے کو وسیع کرتے اور اس کو اور آگے بڑھاتے، وہ پھر اسی جمود و قدامت کی طرف لوٹتے رہے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان صدیوں میں یورپی ذہن نے تو نئی سے نئی دنیائیں تخلیق کرڈالیں اور ہمارے علماء وہی پرانی لکیر پیٹتے رہے اور ان کا سارا زور اسلاف پرستی پر رہا۔

مثال کے طور پر امام ابن تیمیہؒ کی فکری تجدید مذہبی علوم کے محدود دائروں سے باہر نہ نکل سکی اور بعد میں ان کے متوسلین فقہی امور میں زیادہ تر تقلید و عدم تقلید کی بحثوں میں الجھ کر رہ گئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک اسلامی فکر کو ایک نئے نہج پر ڈال سکتی تھی۔ لیکن اس کا حاصل محض "مسلم فسطائیت" کی شکل میں نکلا۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب کو لیجئے بے شک انھوں نے اپنے دور میں نئے فکر کی شمع جلائی، لیکن ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے والد کے دوسرے علوم کو تو پھیلایا لیکن اس نئے فکر کو آگے نہیں بڑھایا۔ اور تو اور شاہ اسمٰعیل صاحبؒ "صراط مستقیم" لکھ کر دوسری راہ پر پڑ گئے جس میں یقیناً قدامت پر زیادہ زور تھا۔ اور تجدید و تخلیق پر کم۔ سب سے بڑی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ گو دارالعلوم دیوبند سلسلۂ ولی اللہی کی ایک علمی کڑی تھا، لیکن اس میں شاہ صاحبؒ کے تجدیدی و تخلیقی فکر کی دعوت نہیں دی گئی۔ بس ایک مولانا